امتیاز احمد (اسسٹینٹ پروفیسر)

شعبۂ اردو، راجا سنگھ کالج، سیوان
مواد برائے بی۔ اے (اردو آنرس) سالِ دوم

سرسید کے مضامین

سرسید احمد خاں (1817-1898) مصلح قوم، ادیب ،صحافی،علی گڑھ تحریک اور علی گڑھ کالج کے بانی تھے۔ انھوں نے مسلمانوں میں بیداری کی تحریک پیدا کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ سرسید نے مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کا بیڑا اس وقت اٹھایا جب مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں پر زمین تنگ ہوگئی تھی اور انگریز اُن کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ وہ توپوں سے اڑائے جاتے تھے، سولی پر لٹکائے جاتے تھے، کالے پانی بھیجے جاتے تھے۔ نوکریوں کے دروازے اُن پر بند تھے اور معاش کی تمام راہیں مسدود تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اصلاح احوال کی اگر جلد کوشش نہیں کی گئی تو مسلمان " سائیس ،خانساماں، خدمتگار اور گھاس کھودنے والوں کے سوا کچھ اور نہ رہیں گے۔ سر سید نے محسوس کر لیا تھا کہ اونچے اور درمیانہ طبقوں کے تباہ حال مسلمان جب تک باپ دادا کے کارناموں پر شیخی بگھارتے رہیں گے اور انگریزی زبان اور مغربی علوم سے نفرت کرتے رہیں گے اُس وقت تک وہ بدستور ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے۔

سرسید نے اپنی اصلاحی باتوں کو عام کرنے کے لیے صحافت اور قلم کا سہارا لیا اور ایک ایسے دور میں جب کہ اردو نثر پر مسجع اسلوب کا اثر تھا انھوں نے اردو مضمون نگاری کو سادگی عطا کی اور اپنے اصلاحی خیالات کو اپنے مضامین کے ذریعے پیش کرنے لگے۔سرسید احمد خان کو اردو مضمون نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ تہذیب الاخلاق کے کچھ مضامین تعصب ، تعلیم و تربیت ، کاہلی ، اخلاق ، ریا ، مخالفت ، خوشامد ، بحث و تکرار، اپنی مدد آپ، عورتوں کے حقوق وغیرہ۔ سرسید کے یہ معلوماتی اور اصلاحی مضامین اردو ادب میں مضمون نگاری کے باب میں کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ انیسویں صدی میں جس طرح مسلمان خواب غفلت میں ڈوب کر مایوس زندگی گزار رہے تھے اور انھیں سرسید جیسے مصلح کار کی ضرورت تھی ۔ کچھ ایسے ہی حالات آج اکیسویں صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ 'جہیز کی لعنت' سود خوری ،شراب نوشی' مذہب بیزاری' آپس میں عدم اتحاد اور تن آسانی وغیرہ۔

سرسید احمد خان نے تہذیب الاخلاق میں جو مضامین لکھے بعد میں ان میں سے کچھ منتخبہ مضامین" مضامین سرسید" کے نام سے شائع ہوئے۔ ان مضامین کے عنوانات اس طرح ہیں۔تعلیم۔تعلیم و تربیت۔ہمدردی۔تعصب۔بحث و تکرار۔عورتوں کے حقوق۔ تربیت اطفال۔اپنی مدد آپ۔آزادیِ رائے۔تہذیب۔قومی اتفاق۔خود غرضی اور قومی ہمدردی۔رسم و راج۔رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات۔نوروز۔ امید۔امید کی خوشی۔گذرا ہوا زمانہ۔کارخانۂ قدرت۔سراب حیات۔

سرسید کے مضامین کے ان عنوانات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے بیشتر موضوعات پر موجودہ زمانے میں بھی بات کرنے کی ضرورت ہے۔زندہ قوموں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی تاریخ پر اپنی عمارت کھڑی کرتی ہے اور اپنے اسلاف کے ورثے سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے مستقبل کو بہتر بناتی ہے۔ اگر ہم سرسید کے اس ادبی سرمایے سے استفادہ کریں تو ممکن ہے کہ موجودہ حالات میں بھی مسلمانوں کو زندگی کی بچھڑی راہوں میں رہبری و رہنمائی ملے۔مضامین سرسید کے مطالعے سے اس میں چھپنے گوہر سامنے آتے ہیں۔

سرسید احمد خان نے اپنے ایک مضمون ''گزرا ہوا زمانہ '' میں ایک بچے کے خواب کو پیش کیا جس میں وہ بوڑھا ہوچکا تھا اور اسے افسوس تھا کہ اس نے زندگی میں کچھ اچھے کام نہیں کئے لیکن بچہ جب جاگتا ہے تو روتے ہوئے کہتا ہے کہ اب میں وقت کی ناقدری نہیں کروں گا اور خواب سے وہ حقیقت کی دنیا میں آجاتا ہے۔اس طرح کی تمثیل نگاری سبق دینے کے لئے کی جاتی ہے۔ اور موجودہ دور کے بچوں اور نوجوانوں میں فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے جو وقت کی بربادی دیکھی جارہی ہے ان کی زندگی میں عمل کی چنگاری پیدا کرنے کے لئے سرسید کے ان مضامین سے استفادہ ضروری ہے۔

مضامین سرسید میں شامل ایک مضمون کا عنوان'' علم '' ہے۔ سرسید نے یہ مضامین ایک ایسے دور میں لکھے تھے جب کہ مسلمان خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے تھے اور تعلیم کے ثمرات سے محروم تھے۔ چنانچہ سرسید نے اس مضمون میں ایک بھولے بھالے انسان کی طرح خود سے سوالات کئے اور جانور اور انسان میں فرق اور عقل اور علم میں فرق کو بیان کرتے ہوئے آخر میں اس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی کہ علم انسانیت کا زیور ہے جو اسے جہالت کے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ مضمون میں سرسید کی خود کلامی ملاحظہ ہو:

'' پھر میں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے کاریگر نے جو انسان کو اور جانوروں سے بھی زیادہ درندہ بنایا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا ہے تو کیا چیز اس کو دی ہے جس سے وہ یہ سب چیزیں کرسکتا ہے اور تمام مشکلوں پر فتح پاسکتا ہے اتنے میں میرا دل بول اٹھا عقل۔ مگر میں نے خیال کیا کہ عقل سے تو یہ کام نہیں نکل سکتا ۔ نہ تو وہ خود یہ کام نکال سکتی ہے۔اور نہ اس کے بغیر یہ مشکل حل ہوسکتی ہے۔یہ تو کسی دوسری چیز کو حاصل کرنے کے بہ طور آلہ کے ہے۔مثلا سونا چاندی ہماری بھوک نہیں مٹا سکتے لیکن ان چیزوں کو دلاتے ہیں جن سے بھوک مٹ سکتی ہے۔بہت سی تلاش اور جستجو کی میں نے۔ اور خیال دوڑایا کہ وہ کیا چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے عقل بھی صرف آلہ ہے تو خیال میں آیا کہ وہ چیز علم ہے جس کے معنی دانستاً جاننے کے ہیں۔''

سرسید نے افہام و تفہیم کے ذریعے سمجھایا کہ تعلیم انسان کو بہتر زندگی گزارنے کے لئے بے حد لازمی ہے۔سرسید کا ہر مضمون اپنے اندر آفاقی پیغام رکھتا ہے اور ان مضامین میں کہی گئی باتوں کی ہر زمانے میں اہمیت محسوس کی جانی چاہئے۔ موجودہ حالات میں ہندوستان میں قومی یکجہتی کے لئے بڑا چیلنج کھڑا ہوگیا ہے اور کچھ جنونی کثرت میں وحدت والے اس عظیم ملک کو ایک مخصوص مذہب اور خیالات کا حامل ملک بنانا چاہتے ہیں۔ سرسید کے دور سے ہی ہندوستان میں فرقہ پرستی کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے اور انہوں نے اسے روکنے کے لئے اپنے مضامین میں قوم کا لفظ استعمال کرکے ہندوستان میں صدیوں سے پرامن زندگی گزارنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہمی اتحاد کا سبق پڑھایا تھا۔اپنے مضمون آپسی اتحاد اور تعلیم میں وہ ہندوستانیوں کو بہ طور ایک قوم متحد ہونے کا سبق پڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

'' اس وقت ہندوستان میں خدا کے فضل سے دو قومیں آباد ہیں۔اور اس طرح سے ہیں کہ ایک کا گھر دوسرے سے ملا ہے۔ ایک کی دیوار کا سایہ دوسرے کے گھر میں پڑتا ہے۔ایک آب و ہوا کے شریک ہیں۔ایک دریا یا کنویں کا پانی پیتے ہیں۔مرنے جینے میں ایک دوسرے سے بغیر ملے چارہ نہیں۔بس کسی چیز کو جو معاشرت سے علاقہ رکھتی ہو ان دونوں کو علحیدہ علحیدہ رکھنا دونوں کو برباد کردیتی ہے۔ ہم کو ایک دل ہو کر مجموعی حالت میں کوشش کرنی چاہئے۔اگر ایسا ہوگا تو سنبھل جائیں گے۔نہیں تو ایک دوسرے کے اثر سے قومیں تباہ اور بگڑ جائیں گی۔ اے ہندو ! اور مسلمانو! کیا تم ہندوستان کے سوا اور ملک کے رہنے والے ہو؟ کیااسی زمین پر تم دونوں نہیں بستے۔ کیا اسی زمین پر تم دفن نہیں ہوتے۔یا اسی زمین کے گھاٹ پر نہیں جلائے

جاتے۔اسی پر مرتے ہو اور اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو مسلمان اور عیسائی بھی جو اسی ملک میں رہتے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں ۔ جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہئے۔۔۔ جو چیز نہایت عمدہ اور خوب ہے وہ اتفاق ہی ہے اتفاق کرکے جو کچھ کیا جائے گا وہی عمدہ ہوگا پس اس امر پر خیال کرکے باہم اتفاق کرنا چاہیے۔

سرسید نے ملک میں بہ حیثیت قوم ترقی کرنے کے لئے باہمی اتحاد کو اہم قرار دیا ہے۔ موجودہ ہندوستان کے حالات میں مسلمانوں اور دانشور طبقے کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ فرقہ پرست ذہنوں اور حکومت کے طبقوں کو یہ باور کرائے کہ ہندوستان کی ترقی کے لیے باہم اتحاد اور اتفاق ضروری ہے ورنہ نفرتیں بڑھیں گی اور دیمک کی طرح ملک اندر سے کھوکھلا ہوجائے گا۔

سرسید احمد خان نے اپنے مضمون رسم و رواج میں لوگوں کو بے جا قدیم روایات ترک کرنے اور حقیقت پر مبنی زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے۔مضمون ہمدردی میں لوگوں کو تلقین کی ہے کہ ان کے پاس اگر کچھ نعمت اور صلاحیت ہے تو اسے ضرورتمندوں میں بانٹیں اور ہمدردی کا اظہار کریں جو اچھی صفت ہے اور انسان کو انسان بناتی ہے۔مضمون تعصب میں انہوں نے اسے بدترین خصلت کہا ہے کہ انسان غرور اور تکبر کا اظہا ر کرتے ہوئے اپنے ذہن سے کسی کو غلط قرار د ے کر اس سے تعصب برتنے لگتا ہے۔انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اللہ دلوں کا حال جانتا ہے ہم کو اپنے اعمال سے پاک و صاف ہونا چاہئے اور تعصب اور نفرت و قریب آنے نہی دینا چاہیے۔مضمون بحث و تکرار میں انھوں نے واضح کیا کہ غیر مہذب لوگ زیاد ہ بحث و تکرار رکرتے ہیں۔اختلاف رائے لوگوں میں ہوتا ہے لیکن اسے علم و ادب کے دائرے میں رکھ کر کرنا چاہیے۔سرسیدنے مضمون تربیت اطفال میں والدین کو آگاہ کیا ہے کہ کس طرح اپنے نو نہالوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا ہے اور ان کی دینی اور دنیاوی تربیت کرنا ہے۔مضمون اپنی مدد آپ میں انہوں نے کہا کہ حکومت آپ کی ہر قسم کی مدد نہیں کرسکتی اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے آپ کو بھی بہت کچھ کرنا چاہئے اور اپنی مدد آپ کے اصول پر کار بند رہنا چاہیے۔سرسید کے مضامین میں امید کا لفظ بہت استعمال ہوا ہے۔ مضمون امید میں انھوں نے لکھا ہے:

" زندگی ایک بے جان چیز کی مانند ہے۔ جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی امید اس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ امید ہی کے سبب سے انسان میں روح کی جان ہے ۔ ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے۔ اور تمام تکلیفوں کو آسان بنا دیتی ہے۔ محنت پر رغبت دلاتی ہے۔ اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے"۔

سرسید کے مضامین بہت ہی سبق آموز اور فکر انگیز ہیں۔ یہ مضامین انسانیت کا دستور ہیں۔ ان سے استفادہ ضروری ہے ۔ اسکولوں میں ہونے والے ثقافتی پروگراموں میں ان مضامین کو ڈرامائی شکل میں پیش کیا جائے اور سوشیل میڈیا سے بھی ان مضامین کی تشہیر کی جائے۔ ان مضامین کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کیا جائے تاکہ سرسید نے جو باتیں کہی ہیں اس سے انسانیت کو فائدہ پہنچے۔

■ ■